29
ہمارے نغمے
حصہ دوم
مرکزی مکتبہ "جماعت اسلامی" ہند - دہلی

سلسلۂ اشاعت مرکزی درس گاہ جماعت اسلامی ہند

ہمارے نغمے

(۲)

لڑکے لڑکیوں کے لیے

مرتبہ

افضل حسین، ایم اے، ایل ٹی، ناظم درس گاہ

مکتبہ جماعت اسلامی ہند سوئیوالان دہلی ۶

ر پنجم ۲۰۰۰ دسمبر سنہ ۱۹۶۴ء ۳۷ نئے پیسے (۶)

ہمارے نغمے

(۲)

مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کی نعمتیں

(۴)

پینے کو میسّر پانی ہے، کھانے کے لیے حاضر ہے غذا
تفریح کو سبزہ جنگل کا، صحت کی محافظ صاف ہوا
پوشش کے لیے ملبوس بھی ہے، رہنے کو مکاں بھی ستھرا سا
اور اس کے سوا کیا حاجت ہے، انصاف تو کر تو دل میں ذرا
راحت کے لیے جو ساماں ہیں، قدرت نے بہم پہنچائے ہیں
اے بندۂ زر پھر تیری ہوس نے پاؤں یہ کیوں پھیلائے ہیں
دولت کا نتیجہ کُلفت ہے، سامانِ امارت ذلّت ہے
جس دل میں ہوس کی کثرت ہے دُور اُس سے حقیقی راحت ہے

ارمان بہت ہیں کم کردے، ہستی یہ نہیں اک غفلت ہے
آغاز سراپا دھوکا ہے انجام سراسر عبرت ہے
تاریخ اٹھا بتلائے گی وہ، دنیا میں خوشی کا نام نہیں
جس دل پہ ہوس کا سکہ ہے اُس دل کے لیے آرام نہیں

صحت میں ترے کچھ ہرج نہیں، اعضا میں ترے نقصان نہیں
پھر بھی یہ شکایت تجھ کو ہے اسباب نہیں سامان نہیں
انعامِ خدا کا منکر ہے، اللہ پہ اطمینان نہیں
تو حرص و ہوا کا بندہ ہے، مضبوط ترا ایمان نہیں

دنیا کی حکومت تیری ہے اپنے کو گدا کیوں کہتا ہے
سامانِ فراغت حاضر ہے، بے کار پریشاں رہتا ہے
یہ ابر، یہ وادی، یہ گلشن، یہ کوہ و بیاباں یہ صحرا
یہ پھول، یہ کلیاں، یہ سبزہ، یہ موسمِ گل، یہ سرد ہوا

یہ شام کی دلکش تفریحیں، یہ رات کا گہرا سناٹا
یہ پچھلے پہر کی رنگینی، یہ نورِ سحر، یہ موجِ صبا
معبود کی کس کس بخشش کو، منکر ہے گا، چھپائے جائے گا
اللہ کی کس کس نعمت کو اے منکرِ دیں جھٹلائے گا

جوش ملیح آبادی

نعت

ماہر القادری

کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے، کچھ کفر نے فتنے پھیلائے
سینوں میں عداوت جاگ اٹھی، انساں سے انساں ٹکرائے
پامال کیا، برباد کیا، کمزور کو طاقت والوں نے
جب ظلم و ستم حد سے گذرے تشریف محمدؐ لے آئے
تہذیب کی شمعیں روشن کیں، اونٹوں کے چرانے والوں میں
کانٹوں کو گلوں کی قسمت دی، ذروں کے مقدر چمکائے
ہر چیز کو رعنائی دے کر دنیا کو حیاتِ نو بخشی
صبحوں کے بھی چہروں کو دھویا، راتوں کے بھی گیسو سلجھائے
اللہ سے رشتے کو جوڑا، باطل کے طلسموں کو توڑا
خود وقت کے دھارے کو موڑا، طوفاں میں سفینے تیرائے
تلوار بھی دی، قرآں بھی دیا، دنیا بھی عطا کی، عقبیٰ بھی
مرنے کو شہادت فرمایا جینے کے طریقے سمجھائے
عورت کو حیا کی چادر دی، غیرت کا غازہ بھی بخشا
شیشوں میں نزاکت پیدا کی، کردار کے جوہر چمکائے
اے نامِ محمدؐ صلِّ علیٰ ماہرؔ کے لیے تو سب کچھ ہے
ہونٹوں پہ تبسم بھی آیا، آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے

قرآن کی فریاد

ماہر القادری

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں، دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں

جزدان حریر و ریشم کے، اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے، خوشبو میں بسایا جاتا ہوں

جس طرح سے طوطا مینا کو، کچھ بول سکھائے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں، اس طرح سکھایا جاتا ہوں

جب قول و قسم لینے کے لیے، تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے، ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں

دل سوز سے خالی رہتے ہیں، آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اک اک جلسے میں، پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے، سچائی سے بڑھ کر دھوکا ہے
اک بار ہنسایا جاتا ہوں، سو بار رلایا جاتا ہوں

یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے، قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں، ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

کس بزم میں مجھ کو بار نہیں، کس عرس میں میری دھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں، مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

آدمی

نظیرؔ اکبر آبادی

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
شدّاد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا
یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(۷)

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نماز یاں
اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی

اور آدمی کو تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی
چلاّ کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دُکانیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خونچا
کہتا ہے کوئی "لو" کوئی کہتا ہے "لا رے لا"
کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دُھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار
سب آدمی ہی کرتے ہیں مُردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حُسن و قبح میں ہے یاں ظہور
شیطان بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

تارے

دل محمد

آکاس کے نیلے منڈل پر، جو تاروں کی گل کاری ہے
سچ اس کی کیا من لیوا ہے، دھج کیسی پیاری پیاری ہے
اور کاہکشاں جو بیچ میں ہے، وہ پھولوں کی پُھلواری ہے
کیا نکھرا نکھرا گلشن ہے، کیا پیاری پیاری کیاری ہے
تسنیم نکل کر کوثر سے، فردوس کے اندر ساری ہے
یا سمجھو دودھ بتاسوں کی آکاس پہ گنگا جاری ہے
اور تارے جب اس ساگر پر کچھ ہنستے ہنستے آتے ہیں (۹)
منھ نور سے اپنا دھوتے ہیں اور خالق کے گُن گاتے ہیں
کیا جگ مگ جگ مگ کرتی ہیں قندیلیں اُن مہ پاروں کی
کیا جوت جھلا جُھل ہوتی ہے، ان سندر روپ ستاروں کی
مت دل نے دُھنگے جان انہیں، یہ ہاٹ نہیں بنجاروں کی
یہ ہیرے جھم جھم کرتے ہیں، مت بوجھ چتا انگاروں کی
کیا نوری نوری مشعل ہیں، ان پیارے پیارے تاروں کی
کیا جھلمل جھلمل کرتی ہیں فانوسیں شب بیداروں کی
کیا روپ انوپ مُزیّن ہے، جو محفل کو دکھلاتے ہیں
جھمکا کر رنگ شبستاں کا سب خالق کے گُن گاتے ہیں

بہار

شوق قدوائی

ہُوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی
بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی

بہار آئی، دکھائی قادرِ مطلق کی شان اس نے
زمیں کی تہہ میں جو مُردے تھے ڈالی ان میں جاں اس نے

بہار آئی ہے نیچر اپنی نقاشی دکھاتا ہے
بہت رنگین نقشے سامنے آنکھوں کے لاتا ہے

(۱۰)
ہوائے صبح اس کے ساتھ پنکھا جھلتی آتی ہے
ہنسی پڑتی ہیں کلیاں جب یہ اُن کو مُنہ لگاتی ہے

پہاڑوں سے بہایا اس نے برفِ صاف پگھلا کر
رواں ہو کر وہی پانی سمندر میں ملا جا کر

شمیمِ باغ نے سیکھا چلن اِترا کے چلنے کا
زمانہ آگیا پردے سے سبزے کے نکلنے کا

دُلھن کی شکل ہر گُل نے لباسِ سُرخ پہنا ہے
شجر کے جسم پر کیا خوش نما پھولوں کا گہنا ہے

پلاتی ہے شجر کو اوس اپنا دودھ لا لا کر
محبت سے ہَوا منہ چومتی ہے بار بار آ کر

جڑیں اندر ہی اندر پھیل کر قوت پکڑتی ہیں
زمیں ان کو جکڑتی ہے، زمیں کو وہ جکڑتی ہیں

چمن اور دشت میں ہے ہر طرف انبار پھولوں کا
جدھر دیکھو زمیں پہنے ہوئے ہے ہار پھولوں کا

ہیں روشن چاندنی کے پھول یا تارے چمکتے ہیں
کھلے ہیں پھول لالہ کے کہ انگارے دہکتے ہیں

ہزاروں رنگ کی چڑیاں ہیں شکلیں خوش نما جن کی
ادائیں دل ربا جن کی صدائیں نغمہ زا جن کی

بہار آنے سے خوش ہیں ہر طرف اتراتی پھرتی ہیں
ہوا تو ناچتی پھرتی ہے چڑیاں گاتی پھرتی ہیں

دیا ہے تتلیوں کو رزق کا سامان پھولوں نے
کیا بھونروں کو جوش فیض سے مہمان پھولوں نے

ہوا ہی نے کھلائے گل، ہوا ہی پھر گراتی ہے
زمیں جس نے کیا پیدا وہی پھر ان کو کھاتی ہے

غرض اے شوق اترانا عبث ہے حسن فانی پہ
گھمنڈ انساں کو نا زیبا ہے دو دن کی جوانی پہ

ایک سہیلی کی یاد

اختر شیرانی

گھر کے دھندوں سے ذرا فرصت اگر پاتی ہوں میں
اچھی حسن آرا ترے خوابوں میں کھو جاتی ہوں میں

اس نئی دنیا میں جس دم یاد آ جاتی ہے تو
دو گھڑی کو اور سب کچھ بھول سا جاتی ہوں میں

جب نہیں ہوتا تصوّر میں کوئی آ کر مخل
بے خودی میں دوڑ کر تجھ سے لپٹ جاتی ہوں میں

(۱۲) اور رضیہ خالدہ اور صادقہ کی صحبتیں
آج جن کے دیکھنے کو بھی ترس جاتی ہوں میں

جب کہ ہم سب ساتھ مل کر کھیلتے تھے کوئی کھیل
خواب میں بھی جس کا نقشہ اب نہیں پاتی ہوں میں

الغرض تنہائی میں جب یاد آ جاتی ہو تم
پھر سے اس بچپن کی دنیا میں پہنچ جاتی ہوں میں

تو نے لیکن بے مروّت خط تلک بھیجا نہیں
جب خیال آتا ہے دیوانی سی ہو جاتی ہوں میں

تجھ سے ایسی بے وفائی کی کسے امید تھی
آسماں کو دیکھ کر خاموش ہو جاتی ہوں میں

آنکھ میں آنسو بھر آتے ہیں وفورِ یاس سے
گرچہ ان کو آنکھوں ہی آنکھوں میں پی جاتی ہوں میں
دیکھتی ہوں لڑکیوں کو جس دم اُٹھتے بیٹھتے
تیری فرقت کے اثر سے بُت سی ہو جاتی ہوں میں
جانتی ہوں تیرا پیارا خط نہ آئے گا کبھی
ہائے اس نادان دل کو پھر بھی سمجھاتی ہوں میں
فرطِ غم سے سوکھ کر آنسو کہاں سے لائیں گی
آہ اب تو اپنی آنکھوں سے بھی شرماتی ہوں میں
اور کچھ کہتی نہیں عذرا یہ بتلا دے فقط
اچھی حسن آرا کبھی تجھ کو بھی یاد آتی ہوں میں

(۱۴)

چاند اور تارے

علامہ اقبال

ڈرتے ڈرتے دمِ سحر سے
تارے کہنے لگے قمر سے
نظارے رہے وہی فلک پر
ہم تھک بھی گئے چمک چمک کر
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا چلنا، مدام چلنا
بے تاب ہے اس جہاں کی ہر شے
کہتے ہیں جسے سکوں نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کشِ سفر سب
تارے، انساں، شجر حجر سب

ہو گا کبھی ختم یہ سفر کیا؟
منزل کبھی آئے گی نظر کیا؟

کہنے لگا چاند، ہم نشینو! اے مزرعۂ شب کے خوشہ چینو!
جنبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسم قدیم ہے جہاں کی

ہے دوڑتا اشہبِ زمانہ کھا کھا کے طلب کا تازیانہ
اس رہ میں مقام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے

چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

---

(۱۴)

گواہی

مائل خیر آبادی

ایسا انساں جو، مانتا ہی نہ ہو، اپنے اللہ کو، اپنا اللہ، تو
اس کا ہوگا جہنم ٹھکانا.
دے رہا ہے گواہی زمانا

سارے عالم کا احوال دیکھو اور شیطان کی چال دیکھو
پھونکتا ہے بشر، اپنا قلب و جگر، روز شام و سحر، پڑ رہا ہے مگر
مسکرانا
دے رہا ہے گواہی زمانا

نفس کا اپنے بندہ رہے گا   اس کا ہر کام گندہ رہے گا
آخرت کا یقیں، جس کو مطلق نہیں، چھان مارے زمیں، وہ نہ پائے کہیں
——— کچھ ٹھکانا
دے رہا ہے گواہی زمانا

ہائے انسان کی یہ جہالت   اپنے مولیٰ سے غفلت یہ غفلت
زندگی بھر جیا، خوب کھایا پیا، کس نے پیدا کیا، کس نے سب کچھ دیا
——— یہ نہ جانا
دے رہا ہے گواہی زمانا

بھول بیٹھا جو اپنے خدا کو   چھوڑ بیٹھا جو راہِ ہدیٰ کو
پھر بھٹک ہی گیا، آفتوں میں پھنسا، اور شیطان کا آہ بن کر رہا (۱۵)
——— وہ نشانا
دے رہا ہے گواہی زمانا

کوئی پیغام پہنچائے اس کو   دینِ اسلام پہنچائے اُس کو
کھول آنکھیں ذرا، دیکھ اچھا برا، زندگی کو بنا، بھائی ایمان لا،
چھوڑ دے اب تو حیلہ بہانا
دے رہا ہے گواہی زمانا

ہوگا کبھی ختم یہ سفر کیا؟
منزل کبھی آئے گی نظر کیا؟

کہنے لگا چاند، ہم نشینو! اے مزرعۂ شب کے خوشہ چینو!
جنبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسم قدیم ہے جہاں کی
ہے دوڑتا اشہبِ زمانہ کھا کھا کے طلب کا تازیانہ
اس رہ میں مقام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

---

(۱۴)

گواہی

مائل خیرآبادی

ایسا انساں جو، مانتا ہی نہ ہو، اپنے اللہ کو، اپنا اللہ، تو
اس کا ہوگا جہنم ٹھکانا
دے رہا ہے گواہی زمانا
سارے عالم کا احوال دیکھو اور شیطان کی چال دیکھو
پھونکتا ہے بشر، اپنا قلب و جگر، روز شام و سحر، پڑ رہا ہے مگر
مسکرانا
دے رہا ہے گواہی زمانا

نفس کا اپنے بندہ رہے گا اس کا ہر کام گندہ رہے گا
آخرت کا یقیں، جس کو مطلق نہیں، چھان مارے زمیں، وہ نہ پائے کہیں

کچھ ٹھکانا ______

دے رہا ہے گواہی زمانا

ہائے انسان کی یہ جہالت اپنے مولیٰ سے غفلت یہ غفلت
زندگی بھر جیا، خوب کھایا پیا، کس نے پیدا کیا، کس نے سب کچھ دیا

یہ نہ جانا ______

دے رہا ہے گواہی زمانا

بھول بیٹھا جو اپنے خدا کو چھوڑ بیٹھا جو راہِ ہدیٰ کو
پھر بھٹک ہی گیا، آفتوں میں پھنسا، اور شیطان کا آہ بن کر رہا (۱۵)

وہ نشانا ______

دے رہا ہے گواہی زمانا

کوئی پیغام پہنچائے اس کو دینِ اسلام پہنچائے اُس کو
کھول آنکھیں ذرا، دیکھ اچھا بُرا، زندگی کو بنا، بھائی ایمان لا،

چھوڑ دے اب تو حیلہ بہانا

دے رہا ہے گواہی زمانا

ہو گا کبھی ختم یہ سفر کیا؟
منزل کبھی آئے گی نظر کیا؟

کہنے لگا چاند، ہم نشینو! اے مزرعۂ شب کے خوشہ چینو!
جنبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسم قدیم ہے جہاں کی
ہے دوڑتا اشہبِ زمانہ کھا کھا کے طلب کا تازیانہ
اس رہ میں مقام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اَجل ہے

چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

---

(۱۴)

گواہی

مائل خیرآبادی

ایسا انساں جو، مانتا ہی نہ ہو، اپنے اللہ کو، اپنا اللہ، تو
اس کا ہوگا جہنم ٹھکانا.

دے رہا ہے گواہی زمانا

سارے عالم کا احوال دیکھو اور شیطان کی چال دیکھو
پھونکتا ہے بشر، اپنا قلب و جگر، روز شام و سحر، پڑ رہا ہے مگر
مسکرانا

دے رہا ہے گواہی زمانا

نفس کا اپنے بندہ رہے گا　　اس کا ہر کام گندہ رہے گا
آخرت کا یقیں، جس کو مطلق نہیں، چھان مارے زمیں، وہ نہ پائے کہیں
کچھ ٹھکانا
دے رہا ہے گواہی زمانا

ہائے انسان کی یہ جہالت　　اپنے مولیٰ سے غفلت یہ غفلت
زندگی بھر جیا، خوب کھایا پیا، کس نے پیدا کیا، کس نے سب کچھ دیا
یہ نہ جانا
دے رہا ہے گواہی زمانا

بھول بیٹھا جو اپنے خدا کو　　چھوڑ بیٹھا جو راہِ ہدیٰ کو
پھر بھٹک ہی گیا، آفتوں میں پھنسا، اور شیطان کا آہ بن کر رہا (۱۵)
وہ نشانا
دے رہا ہے گواہی زمانا

کوئی پیغام پہنچائے اس کو　　دینِ اسلام پہنچائے اُس کو
کھول آنکھیں ذرا، دیکھ اچھا بُرا، زندگی کو بنا، بھائی ایمان لا،
چھوڑ دے اب تو حیلہ بہانا
دے رہا ہے گواہی زمانا

دلچسپ اشعار

اکبر الٰہ آبادی

یہ بات تو کھری ہے، ہرگز نہیں ہے کھوٹی
عربی میں نظم ملت، بی اے میں صرف روٹی
لیکن جناب ایڈیٹر سن کر یہ شعر بولے
بندھوائیں گے یہ حضرت اس قوم کو لنگوٹی

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے
بنگلہ بھی ہے، پاٹ بھی ہے، صابون بھی ہے
لیکن میں پوچھتا ہوں تجھ سے ہندی!
یورپ کا تیری رگوں میں خون بھی ہے

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی شے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر
پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

آج وہ ہنستے ہیں میرے جبّہ و شلوار پر
ایک دن اُن کو فلک بندھوائے دھوتی تو سہی
اپنی اسکولی بہو پر ناز ہے اُن کو بہت
کیمپ میں ناچے کسی دن ان کی پوتی تو سہی

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

عزیز لڑتے ہیں آپس میں یہ ستم کیا ہے — خدا کی مار ہے ووٹوں کی مار کم کیا ہے
ممبری سے آپ پر تو وارنش ہو جائے گی — قوم کی حالت میں کچھ اس سے جلا ہو یا نہ ہو

اسلام کو کہتے ہیں جو پھیلا بزورِ تیغ — یہ بھی کہیں گے پھیلی خدائی بزورِ موت
یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام — یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

شیخ جی کے دونوں بیٹے باہنر پیدا ہوئے
ایک ہیں خفیہ پولس میں ایک پھانسی پا گئے

اللہ کی رہ اب بھی ہے کھلی آثار و نشاں سب باقی ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

بندر

سحر رامپوری

ریل میں تو سفر کیا ہوگا — جنکشن بھی کوئی پڑا ہوگا؟
یاد تو ہوگا اس کا نظارا — کام پر کوئی، کوئی ناکارا
نل کے نیچے کوئی نہاتا ہے — کوئی پتّے پہ چاٹ کھاتا ہے
اک طرف پُل کے گرڈروں پہ سوار — دیکھے ہوں گے شریر سے جاں دار
الاماں ان کی جنگ کا منظر — کوئی لنگڑا تو کوئی خون میں تر
مرحبا اُن کی صلح کا عالم — ہو گئے شیر اور شکر باہم
جب چڑھائی کریں گے ڈبوں پر — ریل کی پٹریوں سے بچ بچ کر
کسی دیوی کے لے اُڑے چپّل — کسی لالہ کی کنڈیا سے پھل
کسی خاتون کی ردا پھاڑی — کسی معصوم کی نئی ٹوپی
ڈارون تھے اسی کے مدح سرا — بلکہ اُن کا تو یہ عقیدہ تھا

ذاتِ انساں کو اور کیا کہیے
اسی بندر کا ارتقا کہیے

پھول مالا

چکبست

(قوم کی لڑکیوں سے خطاب)

روشِ خام پہ مَردوں کی نہ جانا ہرگز
داغ تعلیم میں اپنی نہ لگانا ہرگز

نام رکھا ہے نمائش کا ترقی و رِفارم
تم اس انداز کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز

رنگ ہے جن میں مگر بوئے وفا کچھ بھی نہیں
ایسے پھولوں سے نہ گھر اپنا سجانا ہرگز

خود جو کرتے ہیں زمانے کی روش کو بدنام
ساتھ دیتا نہیں ایسوں کا زمانہ ہرگز

خود پرستی کو لقب دیتے ہیں آزادی کا
ایسے اخلاق پہ ایمان نہ لانا ہرگز

جو بناتے ہیں نمائش کا کھلونا تم کو
اُن کی خاطر سے یہ ذلّت نہ اٹھانا ہرگز

تم کو قدرت نے جو بخشا ہے حیا کا زیور
مول اس کا نہیں قاروں کا خزانہ ہرگز

اپنے بچوں کی خبر قوم کے مردوں کو نہیں
یہ ہیں معصوم انہیں بھول نہ جانا ہرگز
ان کی تعلیم کا مکتب ہے تمہارا زانو
پاس مردوں کے نہیں اُن کا ٹھکانا ہرگز
نغمہ قوم کی لے جس میں سما ہی نہ سکے
راگ ایسا کوئی ان کو نہ سکھانا ہرگز
پرورش قوم کی دامن میں تمہارے ہوگی
یاد اس فرض کی دل سے نہ بھلانا ہرگز
گو بزرگوں میں تمہارے نہ ہو اس وقت کا رنگ
ان ضعیفوں کو نہ ہنس ہنس کے رلانا ہرگز
ہوگا پردے جو گرا آنکھ سے ان کی آنسو
بچپنے سے نہ یہ طوفان اٹھانا ہرگز

مادرِ علمی سے

عمرا فضل اطہر

مری وہ مادرِ علمی جہاں بچپن گذارا تھا
جہاں کے آب و رنگ پر زندگی کا بار ڈالا تھا
جہاں بچپن کے ارمانوں کا گلدستہ سجایا تھا
جہاں تعلیم کے خاکے میں پہلا رنگ آیا تھا

اُبھر کر سامنے ماضی کی جب تصویر آتی ہے
مجھے اے مادرِ علمی تری یاد آ ہی جاتی ہے

تری آغوش میں پرواز کی طاقت ملی مجھ کو
تری چوکھٹ سے پایا حوصلہ، ہمت ملی مجھ کو
جسے کہتے ہیں عزّت، ہاں وہی عزّت ملی مجھ کو
ترے ہی فیض سے اسلام کی دولت ملی مجھ کو

تری فرقت مجھے اب خون کے آنسو رلاتی ہے
مجھے اے مادرِ علمی تری یاد آ ہی جاتی ہے

کبھی جو دیکھ کر ہم کو خوشی سے پھول جاتے تھے
شرارت پر وہی اُستاد چھڑیاں بھی اٹھاتے تھے
کبھی تعریف کرتے تھے کبھی آنکھیں دکھاتے تھے
کبھی پُرجوش باتوں سے ہمارا دل بڑھاتے تھے

نصیحت اُن کرم فرماؤں کی جب یاد آتی ہے
مجھے اے مادرِ علمی تری یاد آ ہی جاتی ہے

نیا جوشِ عمل لے کر یہاں سے لَوٹ جاؤں گا
ہزاروں ولولے لے کر قدم آگے بڑھاؤں گا
نئے انداز سے اسلام کی شمعیں جلاؤں گا
زمیں پر ظلمتوں کے اس تسلّط کو مٹاؤں گا

یہ دنیا ظلمتوں کے بوجھ سے جب ڈگمگاتی ہے
مجھے اے مادرِ علمی تری یاد آ ہی جاتی ہے

بجلی کے کرشمے

مخمور اکبرآبادی

بجلی کے کرشموں نے آرام دیے کیسا کیسا
ہیں بلب کہیں روشن، چلتا ہے کہیں پنکھا

اس سحر کی پُتلی کا، اعجاز یہ کیا کم ہے؟
چھوتے ہی بٹن گویا، گھر نور کا عالم ہے

(۲۲) نوکر کے بلانے کو گھنٹی بھی بجاتی ہے
بے آگ کی شرکت کے کھانا بھی پکاتی ہے

جاڑے میں اگر ملنے، آجائے کوئی مہماں
کمرے میں جلا دے گی، یہ آپ کا آتش داں

آٹے کی یہ بے چاری، چکّی بھی چلاتی ہے
قوت کی اگر پوچھو، ہر وزن اٹھاتی ہے

اک لفٹ میں بٹھلایا اور اڑ گئی جھٹ چھت پر
قربان ہیں پریاں بھی، پرواز کی سرعت پر

ایسا نہیں کوئی جو، ممکن نہ ہو کام اس سے
کچھ شہروں کی سڑکوں پر، چلتی ہے ٹرام اس سے

دُنیا کو یہ حیرت ہے، جادو ہے کہ افسوں
گھر گھر میں لگایا ہے، اس شوخ نے ٹیلی فوں

دَم بھر میں ممالک کی تفریق مٹاتی ہے
مغرب سے خبر لاکر مشرق کو سُناتی ہے

دوری کی مصیبت سے، آزاد کیا اس نے
تاروں پہ خبر لانا، ایجاد کیا اس نے

کل تک اسے تاروں کی امداد کی حاجت تھی
توڑا یہ تعلق بھی، اب بن گئی لاسلکی

ہاں جس کی یہ ہمت ہو، بس پھر اُسے کیا ڈر ہو
حائل نہیں، اب کچھ بھی خشکی ہو، سمندر ہو (۲۴)

کہتے ہیں کہ آئندہ، دھارے سے چلائیں گے
اب تیل نہ بجلی کے انجن میں جلائیں گے

جِن ہے نہ پری ہے یہ، جادو ہے نہ ٹونا ہے
بیدار دماغوں کی جدت کا کھلونا ہے

یارب تری بخشش کے، یورپ میں یہ چرچے ہیں
ہم کو بھی عطا کر کچھ، ہم بھی ترے بندے ہیں

شکاری لڑکا اور چڑیا

سید حامد علی حامد

پیاری چڑیا بھاگتی کیوں ہے تو میرے دام سے
میں قفس میں تجھ کو رکھوں گا بڑے آرام سے

تجھ کو دانہ روز دوں گا میں ضرورت سے سوا
اور پانی تیری کلھیوں میں بھروں گا جام سے

پھر نہ سرگرداں رہے گی تو تلاشِ رزق میں
چھوٹ جائے گی زمانے کے غم و آلام سے

ہو گی اڑنے کی نہ پھر تکلیف تجھ کو اے پری !
پھر نہ یہ نازک ترے بازو تھکیں گے کام سے

پھر اجڑنے کا نہ ہوگا آشیاں کے تجھ کو خوف
پھر نہ تو شکوہ کرے گی چرخِ نیلی فام سے

پھر نہ مارے گا کوئی ڈھیلا، نہ غُلّہ اور نہ تیر
پھر نہ کانپے گی نشانہ باز کے تو نام سے

جال میں میرے چلی آ، تجھ کو لے جاؤں گا گھر
باز آ، اے میری پیاری اب خیالِ خام سے

کیوں تلاشِ رزق میں تو اس قدر حیران ہو
زندگی بس ہے وہی جس میں کہ اطمینان ہو

چڑیا

چُپ ہو اے نادان لڑکے، تجھ کو یہ زیبا نہیں
قید میں رکھنا، کسی آزاد کا اچھا نہیں

قید میں گو لاکھ ہو آرام پھر بھی قید ہے
جو نہیں آزاد اس دنیا میں وہ زندہ نہیں

بے مشقت اور محنت کے ملے خوراک جو
اہلِ ہمت کے لیے وہ زہر ہے، کھانا نہیں

جب نہ اُڑنے پاؤں گی تو پَر مرے ہوں گے ضعیف
تندرستی کا مرے نسخہ ہے، یہ اُڑنا نہیں (۲۵)

راحت و آرام کا دکھلا کے مجھ کو سبز باغ
آشیاں مجھ سے چھڑانا ہے، ستم یہ کیا نہیں

یہ وطن میرا ہے اس کو کس طرح میں چھوڑ دوں
کون ہے ایسا وطن کا اپنے جو شیدا نہیں

زندہ دل بس ہے وہی جس کو میسر ہے وطن
گو نہ ہو راحت مگر جنت سے بہتر ہے وطن

نوکری

حالؔی

نوکری ٹھہری ہے لے دے کے اب اوقات اپنی
پیشہ سمجھے تھے جسے ہوگئی وہ ذات اپنی
اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی
جا پڑی غیر کے ہاتھوں میں ہر اک بات اپنی

ہاتھ اپنے دل آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سو اُسے کھو بیٹھے

(۲۶) کوئی دفتر نہیں اور کوئی کچہری ایسی
کہ جہاں گذری ہو اک آدھ نہ عرضی اُن کی
سنتے مشرق میں ہیں گر کوئی اسامی خالی
قافلے ہوتے ہیں مغرب کے اُسی دم راہی

برسوں اس پر بھی گذر جاتے ہیں بے نیل و مرام
کوئی آقا نہیں ملتا کہ بنیں اُس کے غلام

یوں ہی دن رات پھریں ٹھوکریں کھاتے دَر دَر
سندیں چٹھیاں، پروانے دکھاتے دَر دَر
چاپلوسی سے دل اک اک کا لُبھاتے دَر دَر
ذائقہ نفس کو ذلّت کا چکھاتے دَر دَر

تا کہ ذلّت سے بسر کرنے کی عادت ہو جائے
نفس جس طرح بنے لائق خدمت ہو جائے

جانتے ہیں کہ ہے جس رزق کا ہم سے وعدہ
اس کا حیلہ نہیں یاں کوئی غلامی کے سوا
اور دروازے ہوئے بند سب ان پر گویا
اب فلک پر انہیں ملجا نہ زمیں پر ماویٰ

کام ہوتا کوئی اور اُن سے سرانجام نہیں
جس طرح بیل کو جُتنے کے سوا کام نہیں

نوکروں سے ہیں بہائم کہیں رُتبے میں سوا
کہ نہیں خدمتِ ہم جنس کا اُن پر دھبا
گائے ہو بیل ہو، گھوڑا ہو کہ اس میں گدھا
ایک کا ایک کو تابع کہیں دیکھا نہ سُنا

کسی مخلوق کو رُتبہ نہ خدا نے بخشا
جو غلاموں کو شرف عقل رسا نے بخشا

عدل

شبلی

ایک دن حضرت فاروق نے منبر پہ کہا
میں تمہیں حکم جو کچھ دوں تو کروگے منظور
ایک نے اُٹھ کے کہا یہ کہ نہ مانیں گے کبھی
کہ تمہارے عدل میں ہم کو نظر آتا ہے فتور
(۲۸) چادریں مالِ غنیمت میں جو اب کے آئیں
صحنِ مسجد میں وہ تقسیم ہوئیں سب کے حضور
اُن میں ہر ایک کے حصے میں فقط ایک آئی
تھا تمہارا بھی وہی حق کہ یہی ہے دستور
اب جو یہ جسم پہ تیرے نظر آتا ہے لباس
یہ اسی لوٹ کی چادر سے بنا ہوگا ضرور
مختصر تھی وہ ردا اور ترا قد ہے دراز
ایک چادر میں ترا جسم نہ ہوگا مستور
اپنے حصے سے زیادہ جو لیا تو نے اب
تو خلافت کے نہ قابل ہے نہ ہم ہیں مامور

گرچہ وہ حد منا سب سے بڑھا جاتا تھا
سب کے سب مُہر بہ لب تھے چہ اُناث و چہ ذکور
روک دے کوئی کسی کو یہ نہ رکھتا تھا مجال
نشۂ عدل و مساوات سے تھے سب مخمور
اپنے فرزند سے فاروق معظّمؓ نے کہا
تم کو ہے حالتِ اصلی کی حقیقت پہ عبور
تمہیں دے سکتے ہو اس کا مری جانب سے جواب
کہ نہ پکڑے مجھے محشر میں مرا ربِّ غفور
بولے یہ ابنِ عمرؓ سب سے مخاطب ہو کر
اس میں کچھ والدِ ماجد کا نہیں جُرم و قصور (۲۹)
ایک چادر میں جو پورا نہ ہوا اُن کا لباس
کر سکی اس کو گوارا نہ مری طبعِ غیور
اپنے حصے کی بھی میں نے انھیں چادر دیدی
واقعہ کی یہ حقیقت ہے کہ جو تھی مستور
نکتہ چیں نے یہ کہا اٹھ کے کہ ہاں اے فاروق
حکم دے ہم کو کہ اب ہم اسے مانیں گے ضرور

شکوہ

علامہ اقبال

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

(۳۰) ٹل نہ سکتے تھے، اگر جنگ میں اَڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اُکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی، تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے، ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل میں بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سُنایا ہم نے

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینے سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں تو بھی تو دلدار نہیں

---

(۳۱)

اَلمُلکُ لِلّٰہ وَالحُکمُ لِلّٰہ

عروج قادری

یہ چاند سورج، بے داغ تارے — کہتے ہیں مجھ سے سارے کے سارے
اَلمُلکُ لِلّٰہِ وَالحُکمُ لِلّٰہِ

کوہِ ہمالہ ساکت کھڑا ہے — چپ چاپ شاید کچھ سوچتا ہے
اَلمُلکُ لِلّٰہِ وَالحُکمُ لِلّٰہِ

چوٹی جو اس کی اونچی ہے سب سے — کہتی ہے سب سے کیا کہیے کب سے
اَلمُلکُ لِلّٰہِ وَالحُکمُ لِلّٰہِ

سینے سے اس کے پھوٹے ہیں چشمے — ان کی صدائیں نغمے ہی نغمے
اَلمُلکُ لِلّٰہِ وَالحُکمُ لِلّٰہِ

موّاج دریا، پُر جوش دھارے　　سادہ کنارے، رنگین اشارے
اَلمُلکُ لِلّٰہِ وَ الحُکمُ لِلّٰہِ

یہ گُل فروشی، یہ لالہ کاری　　کہتی ہے مجھ سے بادِ بہاری
اَلمُلکُ لِلّٰہِ وَ الحُکمُ لِلّٰہِ

گُل پوش وادی، گُل ریز گلشن　　کہتی ہے مجھ سے بے باک سوسن
اَلمُلکُ لِلّٰہِ وَ الحُکمُ لِلّٰہِ

بیلا بھی لہکا، چمپا بھی مہکی　　کوئل بھی کوکی، بلبل بھی چہکی
اَلمُلکُ لِلّٰہِ وَ الحُکمُ لِلّٰہِ

تو نے سُنا کیا مالی رے مالی　　جُھک جُھک کے تجھ سے کہتی ہو ڈالی
اَلمُلکُ لِلّٰہِ وَ الحُکمُ لِلّٰہِ

کل عید ہے

سحر رام پوری

اُجالا جا چکا تھا کچھ　　اندھیرا چھا چکا تھا کچھ
میں قبرستان سے گذرا　　تو دل پر ہاتھ جا پہنچا
نئی سی قبر پر دیکھا　　کبھی جو کچھ نہ دیکھا تھا
اسے لپٹے تھے دو بچّے　　تھے جن کے پھول چہرے سے
گلابی گال مٹی میں　　تھے جیسے لعل گدڑی میں

نگاہوں میں تھکاوٹ تھی   لبوں پر کپکپاہٹ تھی
کلیجہ منھ کو آتا تھا   وہ ان کا رو کے یہ کہنا
یہاں کیوں گھر سے آئے ہو   بتاؤ کس سے رُوٹھے ہو؟
بُرا ہے حال امّی کا
چلو کل عید ہے ابّا

اجنبی ماؤں کے لال

ساغر صدیقی

چند بچے تیز رَو تانگے کے پیچھے بھاگتے
جا رہے ہیں اُلٹی سیدھی کچھ دُعائیں مانگتے
جانے والے تیرے جھُولا جھُولنے والے کی خیر
اے میاں صاحب! سدا کرتا رہے تو یوں ہی سیر

تیرے آنگن میں بہاروں کے سدا میلے رہیں
جھومتی کلیاں رہیں اور جاگتے بیلے رہیں
دُور تک لمبی سڑک پر بھیڑ ہے اور شور ہے
حادثوں کے ہاتھ میں نظمِ جہاں کی ڈور ہے
ان کا ہونا بھی جہاں میں حادثوں سے کم نہیں
ان کے سینے موت کے غم سے ابھی محرم نہیں

اپنے پیچھے آنے والی گاڑیوں سے بے خبر
بھاگتے جلتے ہیں یہ مثلِ غزالاں تیز تر
گرم صحراؤں کے جھونکے اجنبی پاؤں کے لال
لالۂ خود رَو کی صورت، اشک شبنم کی مثال
ساز ہے پہیّہ کا چکّر اور نغمہ ان کی دُھن
اے خدائے عزّوجل ان بے نواؤں کی بھی سُن
جسم ننگے، پاؤں زخمی اور چہرے پھول سے
وہ جنہیں چاند سی، آلودہ لیکن دھول سے
شب گذاریں گے کسی دیوار کے سایے تلے
(۳۴) بھوک آنکھیں کھول دے گی صبح کا تارہ ڈھلے
جن کی تعبیریں نہیں ہوتیں یہ ایسے خواب ہیں
یہ سُہانی رات میں ٹوٹے ہوئے مہتاب ہیں
سوچیے اُن کو بھلا کِس نے بھکاری کر دیا
ان کے سر پر بے کسی کا تاج کس نے دھر دیا
قوم کی غربت کو ان شاہوں کی شفقت دے جواب
آستانوں کی بلندی اور سطوت دے جواب

اکیلی

بل راج کومل

اجنبی اپنے قدموں کو روکو ذرا
جانتی ہوں تمہارے لیے غیر ہوں
پھر بھی ٹھہرو ذرا
سُنتے جاؤ یہ اشکوں بھری داستاں
ساتھ لیتے چلو یہ مجسّم فُغاں
آج دنیا میں میرا کوئی بھی نہیں
میری امّی نہیں، میرے ابّا نہیں
میری آپا نہیں، میرے ننھّے سے معصوم بھیّا نہیں۔
وہ گھروندا نہیں جس کے سایے تلے
لوریوں کے ترنّم کو سُنتی رہی
پھول چُنتی رہی
گیت گاتی رہی
مُسکراتی رہی
آج کچھ بھی نہیں
آج کچھ بھی نہیں

میری نظروں کے سہمے ہوئے آئینے
میری امّی کے، ابّا کے، آپا کے اور میرے ننّھے سے بھیّا کے خوں سے ہیں دہشت زدہ
آج میری نگاہوں کی ویرانیاں چند محروم یادوں سے آباد ہیں
آج میری اُمنگوں کے سوکھے کنول میرے اشکوں کے پانی سے شاداب ہیں
آج میری تڑپتی ہوئی سسکیاں ایک سازِ شکستہ کی فریاد ہیں
اور کچھ بھی نہیں
بھوک مٹتی نہیں
تن پہ کپڑا نہیں
آج دنیا میں میرا کوئی بھی نہیں
(۳۶) آج دنیا میں میرا کوئی بھی نہیں
اجنبی اپنے قدموں کو روکو ذرا
سُنتے جاؤ یہ اشکوں بھری داستاں
ساتھ لیتے چلو یہ مجسّم فغاں
میری امّی بنو
میرے ابّا بنو
میرے ننّھے سے معصوم بھیّا بنو
میری عصمت کی مغرور کرنیں بنو
میرے کچھ تو بنو، میرے کچھ تو بنو، میرے کچھ تو بنو۔

طوفانی کشتی

حفیظ جالندھری

دریا چڑھاؤ پر ہے	اور بوجھ ناؤ پر ہے

پہنائے آب سارا
ہے کوچ کا اشارا
ہوش آزما نظارا

موجوں کے منہ میں کف ہے	اک شور ہر طرف ہے

مرگ آفریں ہے دھارا
اور دور ہے کنارا
کوئی نہیں سہارا

تیغ آزما ہیں لہریں	تیغیں ہیں یا ہیں لہریں

توبہ ہوا کی تیزی
موجِ فنا کی تیزی
ہے کس بلا کی تیزی

تدبیرِ ناخدا کیا	چپّو کا آسرا کیا

گرداب لڑ رہے ہیں
کشتی سے اڑ رہے ہیں

تختے اُکھڑ رہے ہیں

یہ دیو نژاد موجیں   یہ بد نہاد موجیں

آیا پھر ایک ریلا

کشتی بنی ہے تنکا

بس ہو چلا "صفایا"

تدبیر رو رہی ہے   تقدیر سو رہی ہے

ملّاح تبر نکلے

دریا میں پیر نکلے

افسوس غبر نکلے

(۳۸) طوفانِ غم بپا ہے   فریاد کی صدا ہے

ہے کون جو سنبھالے

کشتی ترے حوالے

یارب! تو ہی بچالے

اے نوح[۴] کے کھویّا   لگ جائے پار نیّا

بندوں کا تو خدا ہے

اور تو ہی ناخدا ہے

تیرا ہی آسرا ہے

خدا کے سپاہی

شبنم سُبحانی

آ گئی ہے جہاں پر تباہی
روشنی پر ہے غالب سیاہی
مِٹ گیا جلوۂ صبح گاہی
جاگ جاگ اے خدا کے سپاہی!

مَر رہیں ظلم کی بارگاہیں
بند ہیں عقل و دانش کی راہیں
ہیں بصیرت سے خالی نگاہیں
جاگ جاگ اے خدا کے سپاہی!

پرچمِ نور لہرا فضا میں
سوز پیدا کر اپنی نوا میں
ہر طرف دیکھ ارض و سما میں
جاگ جاگ اے خدا کے سپاہی!

اُٹھ زمانے کا پھر راہبر بن
صبحِ روشن کا پیغام بر بن
عدل و انصاف کی رہگذر بن

جاگ جاگ اے خدا کے سپاہی!

تیری جانب زمانہ ہے نگراں
تجھ پہ ماضی کی تاریخ نازاں
تیری غفلت سے عالم پریشاں

جاگ جاگ اے خدا کے سپاہی!

اُڑ لگا کر صداقت کا شہپر
بن محبت اخوّت کا محور
پھر چمک آج مانندِ اختر

جاگ جاگ اے خدا کے سپاہی!

توڑ دے سحرِ تہذیبِ حاضر
ختم کر فتنۂ نفسِ شاطر
غم کو بننے نہ دے بارِ خاطر

جاگ جاگ اے خدا کے سپاہی!

منتظر ہے زمانہ ترا آج
بڑھ کہ ہموار تر ہے فضا آج
اُٹھ قدم سوئے منزل بڑھا آج

جاگ جاگ اے خدا کے سپاہی!

غزلیات

(۱) داغ

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے | دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے
لاکھ دینے کا ایک دینا ہے | دلِ بے مدعا دیا تو نے
بے طلب جو ملا ملا مجھ کو | بے غرض جو دیا دیا تو نے
نارِ نمرود کو کیا گلزار | دوست کو یوں بچا دیا تو نے
جس قدر میں نے تجھ سے خواہش کی | اس سے مجھ کو سوا دیا تو نے
رہبرِ خضر و ہادیِ الیاس | مجھ کو وہ رہنما دیا تو نے
مٹ گئے دل سے نقشِ باطل سب | نقشہ اپنا جما دیا تو نے

داغ کو کون دینے والا تھا
جو دیا اے خدا دیا تو نے

(۲) ـــ حفیظ میرٹھی

آخرش چوٹ کھا گئی دنیا | اپنی ہی زد میں آ گئی دنیا
آدمی نے کب آنکھ کھولی ہے | آہ! جب مٹ مٹا گئی دنیا
رات کو رات کہہ دیا میں نے | سنتے ہی بوکھلا گئی دنیا
ساتھ چلنا تو خیر مشکل تھا | روکنے سے بھی کیا گئی دنیا
ٹھوکریں دربدر کی کھا کھا کر | اُن کے قدموں میں آ گئی دنیا
تجھ سے پھر اتری قسم دے کر | کیا کروں بھید پا گئی دنیا

کس نے سمجھا ہے میرے غم کو حفیظ
گدگدا کر رلا گئی دنیا

۳ —— حیرت شملوی

اہلِ باطل سے دوستی کرنا
اپنے حق میں ہے دشمنی کرنا

لوگ افسوس کھیل سمجھے ہیں
ذاتِ واحد کی بندگی کرنا

ظلم ہے، جہل ہے، حماقت ہے،
حکم سے اس کے سرکشی کرنا

تا بمقدور اس کی طاعت میں
دیکھنا، تم نہ کچھ کمی کرنا

چارہ سازی غریب و بےکس کی
ناتوانوں کی دل دہی کرنا

ہو جو ثابت کتاب و سنت سے
اس ہدایت کی پیروی کرنا

دیکھنا ہی فقط نہیں کافی
حسنِ فطرت پہ غور بھی کرنا

جس سے بوئے فساد آتی ہو
بات ایسی نہ تم کبھی کرنا

بات جو ناگوارِ خاطر ہو
اس پہ بہتر ہے صبر ہی کرنا

(۴۲) دوسروں کے لیے نمونہ ہو
یوں بسر اپنی زندگی کرنا

کوئی مقصد نہ ہو تو اے حیرت
کیا ضروری ہے شاعری کرنا

۴ —— احقر

بھری محفل میں ہم ہیں بے زباں سے
خدا سمجھے ہمارے مہرباں سے

سنایا ہے پیام اپنا جہاں کو
لیا ہے کام جب عزمِ جواں سے

خدا کا شکر ہم پہنچے یقیں تک
گذر کر منزلِ وہم و گماں سے

وہ لذت آشنائے بندگی ہے
جو وابستہ ہے تیرے آستاں سے

تبسم تک کلی سے چھین لے گا
توقع کب تھی ایسی باغباں سے

خوشا قسمت مشیت چاہتی ہو
یہ مشکل کام اور مجھ ناتواں سے

بہت سے مصلحت اندیش احقر
بچھڑ کر رہ گئے ہیں کارواں سے

ترانہ

نعیم صدیقی

ایک پیمبر! ایک پیام!
ایک صحیفہ! ایک کلام! ایک نماز اور ایک امام!
ایک حکومت! ایک زمام!
ایک خدا اور ایک نظام!

چرخ، ستارے، مہر و قمر
کوہ، سمندر، برگ شجر ایک ہی منزل، ایک سفر
دوش بدوش اور گام بہ گام
ایک خدا اور ایک نظام

قوم، قبیلہ، لغو، فضول
کون گلاب اور کون ببول؟ ایک ہو مقصد، ایک اصول
دیس ہو چاہے روم کہ شام
ایک خدا اور ایک نظام

دین کا ہے اک جوڑ اٹوٹ
نسل کا دعویٰ جھوٹ ہے جھوٹ فیض بس اس کا پھوٹ ہی پھوٹ
رنگ کا جادو دام ہے دام
ایک خدا اور ایک نظام

دُعا

آغا حشر کاشمیری

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے
بادلو! ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے
اے دُعا! ہاں عرض کر عرشِ الٰہی تھام کے
اے خدا! اب پھیر دے رُخ گردشِ ایام کے
صُلح تھی کل جن سے، اب وہ برسرِ پیکار ہیں
وقت اور تقدیر دونوں درپئے آزار ہیں
(۴۴) ڈھونڈھتے ہیں اب مداوا سوزشِ غم کے لیے
کر رہے ہیں زخمِ دل فریاد مرہم کے لیے
رحم کر اپنے نہ آئینِ کرم کو بھُول جا!
ہم تجھے بھولے ہیں، لیکن تو نہ ہم کو بھول جا!
خلق کے راندے ہوئے دُنیا کے ٹھکرائے ہوئے
آئے ہیں اب تیرے دَر پر ہاتھ پھیلائے ہوئے
خوار ہیں، بدکار ہیں، ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں
کچھ بھی ہیں، لیکن ترے محبوب کی اُمت میں ہیں
حق پرستوں کی اگر کی تو نے دِل جوئی نہیں
طعنہ دیں گے بُت کہ مُسلِم کا خدا کوئی نہیں

مشکل الفاظ کے معنیٰ

(۱) خدا کی نعمتیں

پوشش کے لیے ملبوس :- پہننے کے لیے لباس

بندۂ زر :- دولت کا پجاری

سامانِ امارت :- عیش و عشرت کا سامان

حرص و ہوا :- لالچ

منکرِ دیں :- دین کا انکار کرنے والا

(۲) نعت

رعنائی :- خود آرائی

غازہ :- خوشبودار گلابی پوڈر

کردار :- سیرت

(۴) آدمی

حسن و قبح :- بھلائی برائی

مکر و زور :- دھوکہ فریب

(۵) تارے

تسنیم و کوثر :- جنت کی دو نہریں

شب بیدار :- رات بھر جاگنے والا۔ رات بھر عبادت کرنے والا

شبستاں :- محل، رات بسر کرنے کی جگہ۔

اقصائے عالم میں :- دنیا کے گوشے گوشے میں

شمیم باغ :- باغ کی خوشبودار ہوا

نغمہ زا :- راگ پیدا کرنے والا

حسنِ فانی :- مٹ جانے والا حُسن

(۷) ایک سہیلی کی یاد

وفورِ یاس :- بہت زیادہ مایوسی

فرقت :- جدائی

فرطِ غم :- بہت زیادہ رنج

(۸) چاند تارے

مدام :- ہمیشہ

مزرعہ :- کھیتی۔ کھیت

خوشہ چیں :- بالیاں چننے والا

اشہب :- گھوڑا

طلب کا تازیانہ :- خواہش کا کوڑا

(۱۱) بندر

الاماں :- خدا کی پناہ

مدح سرا :- تعریف کرنے والا

ارتقا :۔ بتدریج ترقی کرنا

روا :۔ چادر

(۱۲) پھول مالا

روشِ خام :۔ بُری چال

رفارم :۔ اصلاح

پرلے ہونا :۔ قیامت آجانا

(۱۳) مادرِ علمی سے

مادرِ علمی :۔ درس گاہ

آب و گِل :۔ پانی اور مٹی

(۴۶) پرواز کی طاقت :۔ اُڑنے کی قوت

فلک کی گردش :۔ قسمت کا پھیر

ظلمتوں کا تسلّط :۔ اندھیرے کا چھا جانا

(۱۴) بجلی کے کرشمے

اعجاز :۔ کرشمہ

سحر :۔ جادو

لِفٹ :۔ بجلی کی مدد سے اوپر کی منزل پر لے جانے والی مشین ۔

سُرعت :۔ تیزی

لاسلکی :۔ بے تار کا تار برقی

جِدّت :۔ نیا پن

بیدار دماغ :۔ عقل سے پورا کام لینے والا

(۱۵) شکاری لڑکا اور چڑیا

دام :۔ جال

جام :۔ پیالہ

آلام :۔ الم کی جمع رنج و غم

چرخِ نیلی فام :۔ نیلے رنگ کا آسمان

خیالِ خام :۔ غلط خیال

زیبا :۔ مناسب

سبز باغ دکھانا :۔ جھوٹے وعدے کرنا دھوکا دینا

شیدا :۔ چاہنے والا۔ فریفتہ

(۱۶) نوکری

اسامی :۔ ملازمت کی جگہ

بے نیل و مرام :۔ ناکام

بہائم :۔ جمع بہیمہ کی۔ چوپائے

عقلِ رسا :۔ دور کی کوڑی لانے والی عقل۔

ہم جنس :۔ اپنی جنس کا۔

(۱۷) عدل

فتور:- خامی۔ نقص

مستور:- چھپا ہوا

مخمور: نشے میں چور

اناث و ذکور:- عورتیں اور مرد

طبع غیور:- غیرت مند طبیعت

(۱۸) شکوہ

معرکہ آرا:- جنگ برپا کرنے والا

جہاں دار:- بادشاہ

بندہ نواز:- مالک، آقا

صفحہ دہر:- دنیا

جبیں:- پیشانی

(۱۹) الملک للہ والحکم للہ

الملک للہ:- ملک خدا کا ہے

الحکم للہ:- حکم خدا کا ہے

کنایے:- اشارے

لالہ کاری:- لالہ کے پھول لگانا

بادِ بہاری:- موسم بہار کی خوشبودار ہوا

گل ریز:- پھول بکھیرنے والا

(۲۱) اجنبی ماؤں کے لال

محرم:- واقف

غزالاں:- ہرن۔

تعبیر:- خواب کا نتیجہ

مُزیّن:- آراستہ

مہتاب:- چاند

کاخِ اُمرا:- امیروں کے محل یا اونچے مکانات

سطوت:- رعب داب۔ غلبہ

(۲۲) اکیلی

مُجسّمِ فغاں:- بہت زیادہ آہ وزاری (۷۴) کرنے والا

سازِ شکستہ:- ٹوٹا ہوا باجا

(۲۳) طوفانی کشتی

پھیلائے آب:- پانی کا پھیلاؤ

مرگ آفریں:- موت لانے والا

دیو نہاد:- بھاری بھرکم

بدنہاد:- بری عادتوں والا، بہت بُرا۔

بپا۔ برپا

ناخدا:- ملاح، کشتی چلانے والا

(۲۴) خدا کے سپاہی

جلوۂ صبح گاہی :۔ صبح کے وقت کا جلوہ

حلم کی بارگاہیں :۔ وہ جگہیں جہاں سے علم حاصل ہو

ارض و سما :۔ زمین و آسمان

نگراں :۔ دیکھنے والا

صداقت کا شہپر :۔ سچّائی کے پر

محور :۔ کیلی، دھری

اختر :۔ ستارہ

سحر تہذیب حاضر :۔ نئی تہذیب کا جادو

(۲۸) نفس شاطر :۔ مکّار نفس

(۲۵) غزلیات

بے مدعا :۔ بے غرض۔

نقش باطل :۔ جھوٹے اثرات

چارہ سازی :۔ ہمدردی۔ مدد۔ علاج

جہل :۔ کم علمی، جہالت، نادانی

ناگوار خاطر :۔ طبیعت کو بری لگنے والی بات

عزم :۔ ارادہ

لذّت آشنائے بندگی :۔ بندگی کی لذت پانے والا

تبسم :۔ مسکراہٹ

مصلحت اندیش :۔ خود غرض، اپنا بھلا چاہنے والے

(۲۶) ترانہ

صحیفہ :۔ آسمانی کتاب

زمام :۔ باگ ڈور

دوش بدوش :۔ کندھے سے کندھا ملا کر

گام بہ گام :۔ قدم سے قدم ملا کر

دام :۔ جال

(۲۷) دُعا

گردش ایام :۔ بدقسمتی سے

برسر پیکار :۔ لڑنے والا

درپئے آزار :۔ ستانے پر تلا ہوا

مداوا :۔ علاج

سوزش غم :۔ رنج کی تکلیف

آئین کرم :۔ مہربانی کرنے کا دستور

خلق کے راندے ہوئے :۔ دنیا کے ٹھکرائے ہوئے